قرآن شناسی

اردو میں قرآن مجید کی پہلی (شیعہ) تفسیر

شاعر اہلبیتؑ مولوی سید قائم مہدی ساحرؔ لکھنوی، کراچی

آخری قسط

اب جناب محترم ڈاکٹر صاحب قبلہ کے ارشاد کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ میں نے ہرگز یہ نہیں لکھا کہ توضیح المجید شاہ عبدالقادر اوران کے بھائیوں کی تفاسیر سے پہلے شائع ہوئی۔ میں نے تو یہ لکھا تھا کہ شاہ ولی اللہ کے کسی بیٹے نے اردو میں کوئی تفسیر نہیں لکھی۔ اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ ان میں سے کسی نے اردو میں کوئی تفسیر لکھی ہے تو میں اسے قبول کرلوں گا۔ مجھ سے جب ایک صاحب علم جناب محترم مظفر حسین سومرو صاحب نے فرمایا کہ موضح القرآن شاہ عبدالقادر کی تفسیر ہے تو میں نے اپنے مضمون (خیر العمل نومبر ۲۰۰۱ء) میں اس پر بحث کی تھی کہ ''موضح القرآن'' صرف ایک بامحاورہ ترجمہ ہے جس پر بعض حواشی اور وضاحتی نوٹس ہونے کے باوجود تفسیر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ وضاحتی نوٹ اور حواشی کی بناء پر جناب مولانا فرمان علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے ترجمہ پر بھی تفسیر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے اس کو بھی تفسیر کہا ہے۔ میں موضح القرآن کے بارے میں جو دلائل اپنے دوسرے مضمون میں دے چکا ہوں ان پر اب بھی قائم ہوں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے ''رودکوثر'' میں جو اسلامیان ہندو پاکستان کی تحقیقی تاریخ ہے، جہاں انھوں نے مختلف علماء کی لکھی ہوئی تفاسیر کا ذکر کیا ہے وہاں موضح القرآن کو صرف ایک بامحاورہ ترجمہ کہا ہے اور شاہ رفیع الدین کے ترجمہ پر اس کو ترجیح دی ہے مگر اس کو تفسیر نہیں کہا ہے شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کو تو اچھا ترجمہ بھی نہیں کہا ہے۔ ان دونوں کے ترجمے تو اردو کے پہلے ترجمہ ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن مجید اردو کے ترجمہ سے پہلے ہی تفسیر لکھ دی گئی ہو، جہاں تک شاہ عبدالعزیز کی تفسیرِ عزیزی کا تعلق ہے۔ اول تو وہ اردو میں نہیں ہے۔ میرے علم کی حد تک یہی ہے۔ دوسرے وہ صرف تین پاروں کی تفسیر ہے۔ پہلے پارہ اور آخری دو پاروں کی۔ پھر بھی اگر وہ اردو کی تفسیر ہے تو بھی اسے توضیح المجید پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے کہ وہ پورے قرآن کی تفسیر ہے۔ جہاں تک جناب مولانا فرمان علی صاحب قبلہ کے مترجم قرآن مجید کا تعلق ہے اسے بھی موضح القرآن کے متعلق میرے دلائل کی بنا پر تفسیر نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے علاوہ اس کے بارے میں یہ بات بھی غورطلب ہے کہ پانچ جید علمائے کرام کی تقریظیں اس میں شامل ہیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ (۱) نجم الملت جناب مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ (۲) باقر العلوم جناب مولانا السید محمد باقر صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ (۳) جناب مولانا ظہور حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ (۴) جناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ اور (۵) جناب مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ۔ ان

میں سے ہر ایک نے اس کو ترجمہ کہا ہے اور ترجمہ کی حیثیت ہی سے اس کی تعریف کی ہے۔ البتہ سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ نے بحیثیت ترجمہ اس کی تعریف کے ساتھ ایک جگہ ترجمہ مع تفسیر ضروری لکھا ہے اور ناصر الملت نے ترجمہ حاشیہ پر تفسیر کہا ہے۔ جیسا کہ سرکار عمدۃ العلماء نے ترجمہ معہ تفسیر ضروری تحریر فرمایا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر یہ ایسی تفسیر نہیں ہے کہ اس کو باقاعدہ یا مکمل تفسیر کہا جا سکے۔ اس کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہر آیت پر حاشیہ بھی نہیں ہے نہ خاص الفاظ پر کوئی بحث ہے جس سے غیروں کے مقابلہ میں ہم اپنے ترجمہ کا جواز پیش کر سکیں۔ بس ضرورت بھر اطلاق آیت اور شان نزول وغیرہ کے بارے میں وضاحتیں ہیں۔ اسی وجہ سے کسی نے اس کو تفسیر کی لفظ سے یاد نہیں کیا ہے۔ حتیٰ کہ خود مترجم موصوف اعلیٰ اللہ مقامہ نے اسے ترجمہ ہی کہا۔ اپنے پیش لفظ میں کہیں بھی اس کو تفسیر نہیں کہا ہے۔ حواشی کے متعلق لکھا کہ ''قصص، واقعات اور شان نزول پر مستند تفاسیر سے اور فضائل ومناقب خاص علمائے اہلسنت کی معتبر کتابوں سے۔۔۔ مندرج ہیں''۔ ان حقائق کے پیش نظر اس ترجمہ کو تفسیر کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح موضح القرآن کو بھی تفسیر نہیں کہا جا سکتا۔

پھر عرض کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر موضح القرآن بھی تفسیر نہیں ہے۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو یقینا توضیح المجید تمام فرق اسلامیہ میں اردو کی سب سے پہلی تفسیر قرار پائے گی۔

۳۔ کیا توضیح المجید کبھی قابل توجہ نہیں سمجھی گئی اور شاید ہی کوئی اس سے واقف ہو؟

''اردو تراجم وتفاسیر'' میں جناب محترم مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی اعلیٰ اللہ مقامہ نے یہ لکھا ہے کہ ''کتابت، طباعت، اغلاط کی وجہ سے یہ تفسیر کبھی قابل توجہ نہیں سمجھی گئی۔ اور جناب محترم مظاہر حسین نقوی صاحب قبلہ نے اپنے اداریہ میں لکھا ہے کہ بمشکل ہی کوئی اور توضیح المجید سے واقف ہوگا۔

ان دونوں باتوں کا سیدھا سادا سا جواب یہ ہے کہ جناب مولانا سید علی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ صاحب توضیح المجید کی ولادت اور وفات کی تاریخوں کے سلسلے میں جن مآخذ کے میں نے حوالے دیئے ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ لکھنؤ سے لے کر ایران وعراق تک کے علمائے کرام نے اپنے تذکروں اور کتابوں میں توضیح المجید کے بارے میں لکھا ہے۔ اگر یہ کتاب قابل توجہ نہ ہوتی تو یہ علمائے کرام اس کی طرف متوجہ کیوں ہوتے۔

دوسرے یہ کہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات مثلاً لکھنؤ، آگرہ اور بمبئی وغیرہ سے مختلف جلدوں میں یہ کیوں شائع کی جاتی۔ پبلشر وہ کتاب نہیں چھاپتے جس سے عوام واقف نہ ہوں اور اس کی فروخت کے امکانات نہ ہوں۔

تیسرے جناب مولانا مرتضیٰ حسین فاضل صاحب قبلہ نے اپنے آخری دور کی معروف کتاب ''مطلع انوار'' میں توضیح المجید کے بارے میں یہ نہیں لکھا کہ وہ کبھی قابل توجہ

نہیں سمجھی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اگر ان کو اس قسم کا کوئی تاثر ہوگا بھی تو وہ بعد میں زائل ہوگیا۔

چوتھی بات یہ کہ نقوی صاحب قبلہ یقیناً یہ جانتے ہوں گے کہ تفاسیر ایسی کتابیں نہیں ہیں جو عموماً عوام کے مطالعہ میں رہتی ہوں۔ یہ اہل علم کے لئے ہوتی ہیں اور وہی ان سے واقف ہوتے ہیں۔

پانچویں بات نقوی صاحب قبلہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ میں اگر ایک شئے سے لاعلم ہوں یا مجھے اس کے بارے میں واقفیت نہ ہو تو میرے لئے یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے کہ شاید ہی کوئی اور اس سے واقف ہو۔

۴۔ کیا توضیح المجید میں کسی نے تحریف کی ہے؟

مکرم و محترم ڈاکٹر عسکری صاحب قبلہ مدظلہ نے تیسری قسط (خیر العمل، دسمبر ۲۰۰۱ء) میں جناب زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ غیر شیعہ پریس میں چھپنے سے یہ تفسیر تحریف کی زد میں آگئی۔

اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ یہ رائے خود مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی نہیں ہے۔ انھوں نے یہ بات ''تذکرۃ العلماء'' کے حوالہ سے لکھی ہے۔ اگر خود ان کی رائے ہوتی تو سر آنکھوں پر اس لئے کہ وہ حضرت سید المفسرین کے اخلاف میں تھے۔ اس رائے پر یقین کرنے میں مجھے تردد ہے۔ گذشتہ سطور میں توضیح المجید کے سنین اشاعت کی جو تفصیل دی گئی ہے اس کے آئینہ میں یہ رائے درست نہیں معلوم ہوتی۔ زبدۃ العلماء نے تحریف کا سبب یہ لکھا ہے کہ مفسر علام کی عدم موجودگی، وفات اور غیر شیعہ پریس میں چھپنے سے تحریف ہوئی۔ یہ بات ہی غلط ہے۔ سید المفسرین کا انتقال ۱۲۵۹ھ میں ہوا۔ جب کہ تفسیر مذکورہ کی تین اشاعتیں ان کی زندگی ہی میں ہوئیں۔ ایک ۱۲۵۲ھ میں، دوسری ۱۲۵۳ھ میں اور تیسری ۱۲۵۷ھ میں یہیں سے یہ بات غلط ثابت ہوجاتی ہے کہ تفسیر مفسر علام کی وفات کے بعد چھپی۔ جہاں تک ان کی عدم موجودگی کا تعلق ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مولانا سید علی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ پہلی مرتبہ ۱۲۴۵ھ میں کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت تک انھوں نے تفسیر مذکور نہیں لکھی تھی۔ وہاں سے مراجعت کے بعد لکھی گئی ہوگی۔ دوسری مرتبہ وہ ۱۲۵۶ھ میں خراسان تشریف لے گئے وہاں سے کربلائے معلیٰ گئے اور وہیں ۱۲۵۹ھ میں انتقال کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تفسیر مذکورہ دو مرتبہ ان کی موجودگی میں چھپی۔ اس کے علاوہ جناب زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ نے ''سوانح حیات حضرت غفران مآبؒ'' میں جس کا حوالہ ڈاکٹر عسکری بن احمد صاحب قبلہ مدظلہ نے اسی مفروضہ تحریف کے ذکر میں دیا ہے، یہ لکھا ہے کہ توضیح المجید عہد شاہی میں دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔ یوں بھی اس کی اشاعت مفسر علام کی زندگی ہی میں ثابت ہے۔ اس اعتبار سے صاحب تذکرۃ العلماء کا قول غلط ثابت ہوجاتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ تفسیر کا تفصیلی مطالعہ کرنے والے ہی محسوس کرسکتے ہیں کہ اس میں کہیں تحریف ہوئی ہے

یا نہیں۔ حقیقتاً تو اصل مسودہ سے مطابقت کرنے کے بعد ہی تحریف کے بارے میں کچھ کہا جا سکتا ہے جو بہر حال ممکن نہیں ہے۔ جناب محترم مولانا مرزا محمد جعفر صاحب قبلہ مدظلہ مہتمم اعلیٰ مکتبۃ العلوم، کراچی نے اس تفسیر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے اس میں کسی تحریف کی بات نہیں کی بلکہ وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔

۵- کیا توضیح المجید جناب مولانا سید علی صاحب قبلہؒ کی تصنیف نہیں بلکہ فارسی منہاج القرآن کا نامکمل ترجمہ ہے؟

اس تفسیر کے متعلق سب سے اہم اعتراض یا قول یہ ہے کہ یہ جناب مولانا سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ علامہ فتح اللہ کاشانی اعلیٰ اللہ مقامہ کی فارسی تفسیر منہاج القرآن کا ترجمہ ہے اور وہ بھی نامکمل۔ یہ اتنا سنگین الزام یا قول ہے جس سے تفسیر اور مفسر دونوں کا اعتبار اور وقار مجروح ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے خود تلاش وجستجو کے علاوہ اپنے ایک عزیز جناب محترم مولانا محسن مظفر صاحب قبلہ سے بھی رجوع کیا جو اس وقت خاندان اجتہاد کے ایک صاحب علم وجواں سال اجازہ یافتہ عالم دین ہیں۔ ان کا کتب خانہ بہت وسیع ہے جس میں مذہبی کتب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے اس میں ملا فتح علی کاشانیؒ کی فارسی تفسیر منہج الصادقین (نہ کہ منہاج القرآن) دس جلدوں میں شامل ہے۔ اس تفسیر کا خلاصہ خلاصۃ المنہج کے نام سے بھی موجود ہے۔ اس لئے میں نے ان سے اس تحقیق میں مدد لی۔

جناب محترم ڈاکٹر عسکری بن احمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے اپنے مضمون کی پہلی قسط میں ''مجلہ فکر ونظر'' کے حوالہ سے توضیح المجید کو ''خلاصۃ المنہج'' کا ترجمہ لکھا ہے اور دوسرے مضمون میں سیارہ ڈائجسٹ کے قرآن نمبر کے حوالہ سے ملا کاشانی کی تفسیر منہاج القرآن کا ترجمہ لکھا ہے حالانکہ ان کی تفسیر کا نام منہج الصادقین ہے۔

اس مسئلہ کی تحقیق دو پہلوؤں سے کی جا سکتی ہے۔ (۱) ایک تو یہ کہ تذکرہ نویسوں نے توضیح المجید کو سید المفسرین مولانا سید علی صاحب قبلہ کی تصانیف میں شمار کیا ہے یا تراجم میں۔ اور (۲) اس کے کسی حصہ کا فارسی تفسیر سے تقابلی مطالعہ کر کے دیکھ لیا جائے۔ اس کے علاوہ اور کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے۔

۱- تذکرہ نویس حضرات کی تحریریں:

اس پہلو کے متعلق تحقیق ملاحظہ ہو۔

۱- اس عہد کے ماہر علم رجال آیۃ اللہ العظمیٰ السید محسن الامین جبلی عاملی اپنی معروف کتاب ''اعیان الشیعہ'' میں جناب مولانا السید علی صاحب قبلہ کے بارے میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لَهُ مِنَ التَّصَانِيفِ (۱) بَحْثٌ فِي فِدَكٍ، (۳-۲) رِسَالَتَانِ فِي الْمُتْعَةِ (۴) رِسَالَةُ التَّجْوِيْدِ (۵) رِسَالَةُ اِقَامَةِ الْعَزَاءِ فِي الْحُسَيْنِ علیہ السلام (۶) اَلتَّوْضِيحُ الْمَجِيْدُ فِي تَفْسِيرِ كَلَامِ اللهِ الْحَمِيدِ مُجَلَّدَانِ''۔ یعنی آپ کی تصانیف میں یہ ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ التوضیح المجید جس کی دو جلدیں ہیں۔ (ص ۲۵۴)

(ب)　صاحب نجوم السماء نے جلد اول میں سید المفسرین کے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے۔

''از جملہ تصانیف اوست رسالہ در مبحث فدک ودو رسالہ در باب متعہ ورسالہ در علم قرأت ورسالہ در رد اقوال اخباریین ورسالہ در جواز تعزیہ داریٔ جناب سید الشہداء علیہ السلام و تفسیر کلام مجید بعبارت ہندی در دو مجلد''۔ (ص ۴۰۳)

(ج)　ماضی قریب کے محقق محترم مرتضیٰ حسین فاضلؒ کے زمانہ آخر کی وقیع تصنیف ''مطلع انوار'' میں وہ صفحہ ۳۳۶ پر مولانا سید علی صاحب قبلہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''تصانیف''۔ ترجمہ وتفسیر قرآن مجید ''التوضیح المجید'' دو جلدوں میں۔ مطبوعہ ۱۲۵۳ھ''

(د)　مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد کی ایک محققانہ کتاب ''کتابیات اردو تفاسیر'' کے ص ۴۶ پر ''پہلا اردو ترجمہ بقلم ایک شیعہ عالم بمبئی، مطبع حیدری ترجمہ وتفسیر ۱۲۵۲ھ چار جلد'' تحریر کیا ہے۔

نتیجہ:

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی بھی تذکرہ نویس نے توضیح المجید کو ترجمہ نہیں قرار دیا ہے۔ سب نے اسے جناب سید علی صاحب قبلہ کی تصانیف میں شمار کر کے اسے بھی ان کی تصنیف قرار دیا ہے۔ ترجمہ نہیں۔ اس اعتبار سے یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ توضیح المجید ملا فتح اللہ کاشانی کی تفسیر منہج الصادقین (منہاج القرآن نہیں) یا خلاصۃ المنہج کا ترجمہ ہے۔ اب دوسرے پہلو کو دیکھتے ہیں۔

۶- ''توضیح المجید'' اور ''منہج الصادقین'' کا تقابلی مطالعہ

یہ کام میری گزارش پر محترم مولانا سید محسن مظفر صاحب قبلہ نے انجام دیا۔ تفاسیر کے تقابلی مطالعہ کے بارے میں انھوں نے بعض امور کو مدنظر رکھنے کی ضرورت پر زور دیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

(الف)　مکتب اہلبیتؑ میں چونکہ تفسیر بالرائے حرام ہے اس لئے قرآن مجید کی تفسیر میں آیات قرآنی ہی سے مدد لینی چاہئے۔ یا پھر ان روایات پر اعتماد کرنا چاہئے جو ائمہ اہلبیتؑ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ اس کے بہترین نمونے تفسیر المیزان از علامہ محمد حسین طباطبائی اور تفسیر تبیان طوسی ہیں جب کہ روایات سے تفسیر کی بہترین مثالیں تفسیر البرہان نور الثقلین اور تفسیر قمی وغیرہ ہیں۔

تفسیر مجمع البیان لغت اور روایات سے بحث کرتی ہے جب کہ تفسیر منہج الصادقین میں لغت پر کم اور روایات ومطالب پر زور زیادہ ہے۔ اسی طرح تفسیر ابوالفتوح رازی اقوال مفسرین کی جامع ہے۔

(ب)　صحیح روایات کی بنیاد پر کی گئی تفسیر کو مکتب امامیہ میں فوقیت حاصل ہے اور علماء پابند ہیں ان روایات کو اخذ کرنے کے جن کے مآخذ دو ہیں (۱) کتب تفسیر (۲) کتب احادیث۔

اس لئے ہر ایک اس تفسیر میں جس میں نقل روایات کا

اہتمام کیا گیا ہو اور اس کے مطالب پر بنیاد رکھی گئی ہو ان میں روایات و مطالب کی تکرار مل جائے گی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام تفاسیر ایک دوسرے کا چربہ یا ترجمہ ہیں۔

(ج) آیۃ اللہ مولانا سید علی صاحب نے توضیح المجید میں روایات ائمہ علیہم السلام پر نہ صرف یہ کہ اعتماد کیا ہے بلکہ وہی ان کا مدار الہام ہیں اور ان روایات کو بالالتزام درج فرماتے ہیں۔ جب کہ مولانا عمار علی صاحب قبلہؒ نے مطالب تو ظاہر ہے کہ تفاسیر سے ہی لئے ہیں لیکن کسی روایت کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے نمونہ کے طور پر سورہ والناس کی تفسیر کا توضیح المجید اور منہج الصادقین کے تقابلی مطالعہ سے جناب مولانا محسن مظفر صاحب قبلہ نے جو نتائج اخذ کئے ان کے متعلق وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

''ہمارے سامنے منہج الصادقین کا جو مطبوعہ نسخہ موجود ہے'' وہ کتاب فروشی اسلامیہ، چاپ دوم ۱۳۴۴ شمسی کا مطبوعہ ہے اور آیۃ اللہ مرزا ابوالحسن شعرانی کے حواشی و تصحیح کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس سورہ (والناس) کی تفسیر میں پہلی روایت علامہ کاشانی نے حضرت عیسیٰؑ کی دی ہے۔ دوسری روایت اثنائے تفسیر آنحضرتؐ کی بروایت انس بن مالک دی ہے تیسری روایت حضور ابوذر غفاری سے ہے۔ ایک تفسیری نکتہ کاشفی سے لیا ہے۔ تفسیر عیاشی کے حوالہ سے ابان بن تغلب کی روایت از امام محمد باقرؑ از رسول خدا درج کی ہے۔

جب کہ توضیح المجید میں پہلی روایت فضل بن یسار کی ہے جو منہج میں موجود نہیں۔ البتہ حضرت مالک بن انس، کاشفی کا نکتہ اور اباب بن تغلب کی روایت کچھ بھی توضیح میں موجود نہیں۔ نہج میں حکیم سنائی کے شعر پر تفسیرِ والناس ختم ہوجاتی ہے جب کہ توضیح میں اس کے بعد تقریباً دو صفحے مزید ہیں جو منہج سے بالکل مختلف ہیں۔

ان واضح حقائق کے بعد کون یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ ''التوضیح'' ترجمہ ہے منہج کا۔

ایک عجیب بات

اس مطالعہ کے دوران ایک عجب بات یہ سامنے آئی کہ جناب مولانا سید علی صاحب قبلہ کے علاوہ سیارہ ڈائجسٹ کے ''قرآن نمبر'' کے مطابق بحر العلوم آیۃ اللہ سید محمد حسین عرف مولانا علّن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ جو خاندان اجتہاد کے جید ترین علماء و مجتہدین میں شامل ہیں۔ ان کی تفسیر تنویر البیان بھی خلاصۃ المنہج از ملا فتح اللہ کاشانی کا ترجمہ ہے جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی۔ ان کے علاوہ ایک اور عالم دین مولوی امداد علی صاحب قبلہ نے ''ثابت نامہ نوطرز'' کے قلمی نسخے کے دیباچہ میں اپنے تعارف میں یہ بھی لکھا ہے کہ انھوں نے ''منہج الصادقین'' کا ہندی ترجمہ کیا۔ ہندی سے ان کی مراد یقیناً اردو ہوگی۔ یہ ذکر ایک کتاب کے ایک عکسی ورق سے ملا جو میرے نہایت کرم فرما حضرت مظفر حسین سومرو صاحب نے مجھ کو عنایت فرمایا اور بتایا کہ وہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل صاحب قبلہ کی کتاب ''اردو تراجم وتفاسیر'' کا ایک ورق ہے۔ اس میں مصنف محترم نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ امداد حسین صاحب قبلہ کے ''ثابت نامہ

نوطرز'' کے متعلق جناب مسعود حسن صاحب رضوی ادیبؔ نے معلومات فراہم کی تھیں۔

اس میں مجھے حیرت کی بات یہ معلوم ہوئی کہ ساری تفاسیر منہج الصادقین ہی کا ترجمہ کیوں کہی جاتی ہیں۔ بہرحال سید علی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی تفسیر کو تو میں نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کا ترجمہ نہیں ہے۔ جناب بحر العلومؒ کی تفسیر تنویر البیان کے بارے میں میری معلومات اتنی نہیں ہے کہ ان پر تبصرہ کر سکوں۔ البتہ امداد حسین صاحب قبلہ نے خود لکھا ہے کہ انھوں نے منہج الصادقین کا ترجمہ کیا ہے۔

ایک بات اور۔ جناب محترم ڈاکٹر عسکری بن احمد صاحب قبلہ نے اپنے مضمون کی دوسری قسط میں یہ لکھا ہے کہ تنویر البیان ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی لہٰذا وہ پہلا ترجمہ ہے۔ اس سے دو تین سطر پہلے وہ یہ لکھ چکے ہیں کہ توضیح المجید ہی پہلا ترجمہ اور تفسیر ہے۔ شاید کتابت میں کچھ غلطی ہوگئی ہو۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ زحمت فرما کے اپنی اگلی قسط میں اس کی وضاحت فرما دیں تو شکر گزار رہوں گا۔

جناب محترم مظاہر حسین نقوی صاحب قبلہ کے اداریہ سے متعلق چند معروضات

حضرت نقوی صاحب نے جو شکوک و شبہات اور اعتراضات میری تحلیل زمانی کے بارے میں فرمائے الحمدللہ میں نے مندرجہ بالا سطور میں ان کا تفصیلی اور ناقابل تردید دلائل کے ساتھ جواب دے دیا ہے۔ امید ہے کہ میرے تحریر کئے ہوئے جوابات کے مآخذ میں سے کوئی نہ کوئی نقوی صاحب قبلہ کے نزدیک قابل اعتبار ہوگا اور کوئی محترم مصنف ان کی نظر میں ایسا ضرور ہوگا جس کو مولانا سید ہدایت حسین صاحب قبلہ آل غفران مآبؒ کی طرح وہ معاذ اللہ بددیانت، جھوٹا اور اقربا نواز نہ کہیں گے۔ ان کے بعض دوسرے ارشادات کا جواب بھی اوپر آ چکا ہے۔

نقوی صاحب قبلہ نے اپنے اداریہ میں چند باتیں ایسی لکھی ہیں جن پر تبصرہ کرنا اس لئے ضروری ہے کہ ریکارڈ کو درست کیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں پہلے ان کی عبارت درج کر دوں تاکہ قارئین محترم کے پیش نظر رہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱- سو برس کے بعد ولادت سید علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ ہدایت حسین صاحب کا کسی قلمی نسخہ میں سید علی صاحب قبلہ کی ولادت و وفات کا لکھ دینا ان معنوں میں یقین نہیں ہو سکتا کہ

۲- ہمارے اکثر گھرانوں میں بعض شوقیہ حضرات اپنے خاندانوں کے جو کوائف لکھتے ہیں انھیں بڑھا چڑھا کر لکھتے ہیں اور اپنے پاس سے جس فرد کو چاہتے ہیں جس سے خاص ان کی پیڑھی کا تعلق ہوتا ہے اسے تو اور زیادہ آسمان سے جا لگاتے ہیں۔

۳- اس لئے ان قلمی نسخوں کا جو محض ذاتی ہوں، ان کی تشہیر و تصدیق عام نہ ہو، علم تحقیق کے اعتبار سے ساقط الاعتبار قرار پاتا ہے۔

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ قابل غور ہیں۔

(۱) سو برس کے بعد: عرض ہے کہ کسی شخصیت اور اس کا تذکرہ لکھنے والے کے درمیان وقت کا زمانہ شخصیت کی وفات سے شمار کیا جاتا ہے نہ کہ ولادت سے۔ مولانا ہدایت

حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ نے نجوم تواریخ سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی وفات کے صرف پچپن چھپّن سال کے بعد لکھی جو اتنی بڑی مدت نہیں ہے کہ لکھنے والے کی بات پر اعتبار نہیں کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اپنے ہی قریب ترین عزیزوں اور بزرگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے کہیں دور نہیں جانا پڑتا۔ اپنے ہی بزرگوں سے حالات معلوم ہوجاتے ہیں۔ ہدایت حسین صاحب قبلہ کے والد بزرگوار زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی صاحب طاب ثراہ سید المفسرین کے سگے بھتیجے تھے جو ایک مدت تک اپنے عم محترم کی زندگی میں ان کی خدمت میں حاضر رہتے ہوں گے۔ اس لئے مولانا سید علی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے بارے میں مولانا ہدایت حسین صاحب کی تحریر سے زیادہ اور کس کی تحریر مستند و معتبر ہوسکتی ہے اور خاندانی ریکارڈ سے زیادہ اہل خاندان کے بارے میں اور کون سی چیز مستند ہوسکتی ہے۔

بڑھا چڑھا کے لکھنے کے بارے میں عرض ہے کہ ولادت ووفات کی تاریخوں میں بڑھانے چڑھانے کا کیا محل ہے اور اس مہمل اور بے بنیاد الزام کی کیا تک ہے۔

(ب)　　پیڑھی کے تعلق سے آسمان سے جالگانا: ایک عالم دین پر اس قدر قبیح اور کریہہ الزام افسوسناک ہی نہیں قابل مذمت بھی ہے۔ اب اگر معزز علمائے کرام کی تحریروں پر بھی اعتبار نہیں کیا جائے تو کس کا اعتبار کیا جائے۔ بغیر دلیل وثبوت کے ایک عام صاحب قلم کے بارے میں بھی یہ الزام اخلاقی اور قانونی ہر اعتبار سے کھلی ہوئی توہین ہے نہ کہ ایک مجتہد اپنے مجتہد ابن مجتہد ابن مجتہد، مجدد مذہب شیعہ کے بارے میں اس طرح کے اقربا نوازی کے الزام کی مثال وہ ہے جس میں رسول مقبولؐ پر خود مسلمانوں نے یہ الزام لگایا تھا جس سے نقوی صاحب قبلہ خوب واقف ہوں گے کہ جب آنحضرتؐ اپنے دونوں نواسوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے فضائل بیان فرماتے تھے جیسے جوانان جنت کے سردار وغیرہ تو اس وقت کے مسلمان یہ کہتے تھے کہ نواسوں کی محبت میں کہہ دیتے ہیں۔ یعنی معاذ اللہ یہ فضائل ان شہزادوں میں تھے نہیں مگر......اب نقوی صاحب قبلہ کے لفظ لکھوں تو میرے ہاتھ ٹوٹ جائیں نقوی صاحب قبلہ نے اپنے اداریہ کے آغاز میں یہ لکھا ہے کہ علمائے اعلان (اعلام) کے لئے ایسے طعن وتشنیع سے ہمیں گریز لازم ہے۔ میں ان کا یہ معقول ارشاد بصد ادب انھیں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اوپر لکھ چکا ہوں کہ میں نے جو مولانا عمار علی صاحب کے بارے میں یہ لکھا تھا کہ عالم رضاعت میں شاید ہوں۔ اس کو نقوی صاحب نے ان کی سخت ترین توہین قرار دیا تھا اس کا جواب میں اوپر دے چکا ہوں۔ یہاں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں علماء ومجتہدین عظام کے ادب واحترام کو واجب سمجھتا ہوں۔ اس لئے بھی کہ میری پشت پر عظیم المرتبت اور جلیل القدر علماء وفقہاء کرام کا ایک عظیم الشان سلسلہ ہے جن کی علمی، دینی اور روحانی عظمتوں سے اہل علم واہل نظر خوف واقف ہیں۔ مولانا عمار علی صاحب قبلہ طاب ثراہ میرے ہی ایک جد جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کے شاگرد تھے اس لئے بھی میری نظروں میں ان کی

اتنی ہی عظمت ہے جتنی اپنے خاندان کے کسی عالم دین کی ہوسکتی ہے۔

(ج) قلمی نسخوں کا جو محض ذاتی ہوں جن کی تشہیر وتصدیق عام نہ ہو علم تحقیق کے اعتبار سے ساقط الاعتبار قرار پاتا ہے۔

حیرت ہے کہ نقوی صاحب قبلہ کو علم تحقیق اور اس کا یہ اصول کہاں سے ملا ہے۔ اہل علم واہل تحقیق کی نظروں میں تو یہ اصول بالکل متضاد ہے۔ یعنی تحقیق کے سلسلہ میں قلمی نسخوں کا جنھیں مخطوطات کہتے ہیں پایہ اعتبار اور بلند ہوتا ہے۔ ان کی تشہیر وتصدیق ایک لایعنی بات ہے اس لئے کہ یہ عام لوگوں کی دسترس میں ہوتے ہی نہیں۔ بعض نجی کتب خانوں میں کوئی ایک آدھ نسخہ مل جاتا ہے۔ ورنہ عموماً بڑے بڑے کتب خانوں مثلاً پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری، لیاقت نیشنل لائبریری کراچی، اور نیشنل لائبریری اسلام آباد اور زیادہ اہم کتب خانوں میں خدابخش لائبریری پٹنہ، سالار جنگ لائبریری حیدرآباد دکن، آزاد لائبریری علی گڑھ یونیورسٹی، کتب خانہ راجہ صاحب محمودآباد، ٹیگور لائبریری لکھنؤ یونیورسٹی نیز ایشیاٹک سوسائٹی وغیرہ مخطوطات کے بڑے مراکز ہیں جن میں مخطوطات کے علٰحدہ شعبے قائم کئے گئے ہیں جو محققین کے لئے تحقیق کے نہایت اہم مراکز ہیں۔ اگر کسی تحقیقی مقالہ کو دیکھئے تو اس میں مآخذ کی فہرست میں مخطوطات کے عنوان سے مآخذ کے نام ملیں گے جن سے تحقیق کا اعتبار بڑھتا ہے۔ ممکن ہے کہ نقوی صاحب نے علم تحقیق پر بھی کوئی کتاب پڑھی ہو اور اس میں مخطوطات کو ساقط الاعتبار بھی لکھا ہو۔

جناب مظاہر حسین نقوی صاحب قبلہ کی دو تحقیقیں

نقوی صاحب قبلہ نے دو تحقیقی انکشافات بھی کئے ہیں

(۱) ایک یہ کہ عمدۃ البیان پر تقریظ حضرت غفران مآبؒ کے صاحبزادے سید حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی ہے۔ ۱۲۸۸ھ تحریر کے دستخط ہیں۔ غالباً نقوی صاحب قبلہ کو یہ علم نہیں ہے کہ سید العلماء جناب مولانا سید حسین صاحب علیین مکان خلف حضرت غفران مآبؒ شب شنبہ ۱۷؍صفر ۱۲۷۳ھ مطابق ۲۶؍جنوری ۱۸۵۶ء کو انتقال فرما چکے تھے۔ مرزا غالب نے بھی ان کے مرثیہ کے طور پر ایک حزنیہ نظم لکھی تھی اور بالکل نئے طریقے سے تجربہ کرکے ان کی تاریخ انتقال کہی تھی مگر میں اس کو درج نہیں کروں گا ورنہ اندیشہ ہے کہ غالبؔ بے چارہ کی بھی وہی گت بنے گی جو جناب مولانا مفتی میر محمد عباس صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی بنائی گئی ہے۔ بہر حال اپنی وفات کے پندرہ سال بعد ان کا تقریظ لکھنا نقوی صاحب ہی کی تحقیق کا کمال ہوسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب عمار علی صاحب قبلہ حضرت سید العلماء سید حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ کے فرزند ارجمند ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب قبلہ کے شاگرد رشید تھے اور میرے علم کے مطابق عمدۃ البیان پر انھیں کی تقریظ ہے۔ مولانا ہدایت حسین صاحب قبلہ انھیں ممتاز العلماء کے سگے بھتیجے تھے۔

دوسری تحقیق: میں نے سید المفسرین کے انتقال کی تاریخ جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ فارسی میں تاریخ

انتقال سے اخذ کر کے لکھی تھی۔ اس کو بھی نقوی صاحب قبلہ نے بے اعتبار قرار دے کر مسترد کر دیا۔ دلیل یہ دی کہ مفتی صاحب قبلہ نے ایک کبابی کی دکان کی تاریخ یوں کہی تھی۔ ''ھٰذا بَیتُ کَبابِ بَیتِ اللّٰہ'' ترجمہ: یہ بھی لکھا ہے کہ بیت اللہ پر جب علماء نے شور مچایا تو حضرت عالی نے فرمایا یہ تاریخ بہ اعتبار سجع ہے بہ اعتبار تخرجہ نہیں۔ اللہ اکبر علماء نے شور مچایا! کس کس بات پر گفتگو کی جائے۔ آج کے علماء بھی شور نہیں مچاتے۔ اس وقت کے علماء جو ایک نہایت مہذب معاشرہ میں رہتے اور مفتی صاحب قبلہ کی جلالت علمی سے بھی بخوبی واقف تھے وہ بھی شور مچاتے۔ معلوم نہیں نقوی صاحب نے یہ تحقیق کہاں سے کی ہے۔

دوسرا رخ یہ کہ پھر مفتی صاحب کی طرف سے جواب کہ یہ تاریخ بہ اعتبار سجع ہے بہ اعتبار تخرجہ نہیں۔ اس سے یا تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مفتی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ فن تاریخ گوئی سے واقف نہ تھے یا پھر خاکم بدہن نقوی صاحب قبلہ کو اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ سجع کا تخرجہ سے کیا تعلق ہے یہ کچھ وہ کچھ۔ دوسرے خیال کو اس امر سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ مفتی صاحب قبلہ سے منسوب مصرعے درج کرنے سے پہلے نقوی صاحب قبلہ نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس مصرع کی حیثیت کیا ہے۔ اگر وہ تاریخ کا مصرع ہے بھی تو کیا وہ مفتی صاحب کا کہا ہوا ہو سکتا ہے۔ فن تاریخ گوئی کا کوئی طالب علم بھی حساب جمل سے مصرع کے اعداد جانچ کر یہ دیکھ لیتا کہ یہ تاریخ ہے تو اس کے اعداد تو ۱۶۲۱ء ہوتے ہیں تو سترہویں صدی کے کسی شاعر نے یہ مصرع کہا ہوگا جب کہ مفتی صاحب قبلہ تو انیسویں صدی کے انسان تھے۔ لہٰذا اس کو ان سے منسوب کرنا مفتی صاحب قبلہ پر اتہام اور الزام ہے۔

جناب کاظمی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی صناع تاریخ گو کے مصرعوں سے کوئی درست عدد مطلوبہ نکالنا فی الحقیقت ثابت نہیں سمجھا جا سکتا۔ نقوی صاحب کے ایسے ارشادات سے محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ گوئی کے فن سے ان کی کبھی شناسائی نہیں رہی۔ درحقیقت تاریخ گوئی کا فن اسی لئے معرض وجود میں آیا تا کہ مختلف واقعات کے وقوعہ کی تاریخیں حساب جمل کے اعتبار سے ایک چھوٹے سے فقرہ، مصرع، شعر یا اس کے جزو میں محفوظ کر لی جایا کریں تو آگے چل کر سینکڑوں برس بعد بھی تحقیق کا ایک اہم اور معتبر ذریعہ ثابت ہوں۔ اگر حساب جمل سے محفوظ کی ہوئی مطلوبہ تاریخ مل جائے تو درجنوں کتابیں کھنگالنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ جہاں تک تاریخ گوئی میں صناعی کا تعلق ہے، صناعی تو تاریخ گو شعراء کا کمال ہوتا ہے۔ یہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ شاعرانہ حسن کے ایسے تاریخی مادوں کو نا قابل اعتبار کہنا نقوی صاحب ہی کا حق ہے۔ اگر وہ مجھ حقیر فقیر کی کتاب ''فن تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ'' ہی ملاحظہ فرما لیتے تو اس کے بارے میں ایسی گفتگو ہرگز نہ فرماتے جو اُن کی شان کے خلاف ہے۔

میں نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ اردو میں قرآن مجید کی پہلی تفسیر کے مسئلہ پر گفتگو کرنے اور تحقیق و تدقیق سے اس موضوع کے سلسلہ میں بعض غلطیوں یا غلط نقطہ ہائے نظر کی نشاندہی کر کے انھیں دور کرنے کے لئے کیا ہے۔ کسی پر نکتہ چینی

(بقیہ صفحہ......۳۰ پر)

کچھ پایا ہے، اس سے زیادہ کھویا ہے۔ ہم نے اپنی نسوانی شخصیت ضائع کردی ہمیں آزادی کے بعد نہیں معلوم کہ فائدہ کیا ہوا۔ ہوسکتا ہے، گنتی کی چند عورتوں نے بہتر حالات دیکھے ہوں لیکن ہم بہرحال ان میں نہیں ہیں۔''

یہ تھا اس مقالہ کا خلاصہ، مضمون کے اندراجات سے صاف نظر آتا ہے کہ خواتین ومساوات'' کے نام سے جن مشکلوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوئیں اس کے نتیجے میں انھیں ان دونوں لفظوں سے چڑھ ہوگئی۔ وہ بھول میں ہیں ان دونوں لفظوں کا گناہ کوئی نہیں۔ زن ومرد، دو الگ الگ مداروں کے دو ستارے ہیں۔ دونوں کو اپنے اپنے مدار اور اپنے اپنے دائروں میں گردش کرنا چاہئے ''لَاالشَّمْسُ لَهَا اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ......'' ''سورج کو حق نہیں کہ چاند کو جا کر پکڑے اور نہ رات دن سے آگے جاسکتی ہے ہر ایک اپنے اپنے فلک میں گردش کررہا ہے'' مرد وزن کی اصل سعادت اسی میں ہے کہ وہ انسانی معاشرے میں دو جنس رہ کر اپنے اپنے دائرہ کار میں سفر جاری رکھے۔ آزای وبرابری کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوگا، جب ہر ایک اپنی فطری وطبیعی راہ سے بے راہ نہ ہو۔ معاشرے میں خلفشار پیدا ہونے کا سبب فطرت وطبیعت کے فرمان سے سرتابی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔

''نظامِ حقوقِ خواتین، خاندان اور معاشرے میں''

ہم مدعی ہیں کہ یہ مسئلہ اساسی مسئلہ ہے اور اس پر نئے سرے سے نظر کرنا چاہئے۔ گذشتہ اقدار پر اکتفا نہ کی جائے، از سرِ نو اقدار دریافت ہوں۔ اس بارے میں سب سے پہلے طبیعت وفطرت کو رہنما اصول بنائیں۔ دوسرے مرحلے میں گذشتہ اور موجودہ صدیوں کے تلخ وشیریں تجربے سامنے اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اس وقت تحریک حقوقِ خواتین صحیح معنی میں کامیاب طور پر بڑھ سکے گی۔

❁❁❁

(بقیہ..........اردو میں قرآن مجید کی پہلی شیعہ تفسیر)

کرنے کے لئے نہیں۔ اس لئے کہ ایک تو میں خود جاہل محض ہونے کی وجہ سے کسی پر نکتہ چینی کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ دوسرے یہ ایک علمی اور ادبی گفتگو تھی۔ اس کو اسی کے تقاضوں کے مطابق پایۂ تکمیل تک پہنچانا تھا جو بحمد اللہ مکمل ہوگئی۔ میں نے اس آخری مضمون میں اردو میں قرآن مجید کی تفسیر کی اولیت اور اس پر مختلف الزام یا اعتراض اور شکوک وشبہات کو حتی الامکان تحقیق کرکے مضبوط دلائل سے رد کردیا ہے۔ اس کے لئے اللہ کے کرم اور مولاؑ کی عنایت کا شکر ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ اگر میرے اس سلسلہ مضامین میں کہیں پر بھی کسی طرح کی کوئی ایسی لفظ یا جملہ آگیا ہو جو کسی کے وقار کے منافی ہو یا شان کے شایان نہ ہو تو میں اس سے دست بستہ معذرت طلب ہوں۔ خدا کرے کہ اب یہ مسئلہ پوری طرح واضح ہوگیا ہو اور مزید کسی مضمون کی ضرورت نہ ہو

❁❁❁